Al-Mahdi Research Journal (MRJ)
Vol 5 Issue 3 (January-March 2024)
HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y
ISSN (Online): 2789-4150
ISSN (Print): 2789-4142

The Social Methodology of Tafsir: An Analytical Study of Maulana Ubaidullah Sindhi's Tafsir Collection

تفسیر کا سماجی منہج: مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے تفسیری ذخیرے کا تجزیاتی مطالعہ

Dr. Rasheed Ahmad
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, MNS University of Agriculture, Multan, rasheed.ahmad@mnsuam.edu.pk

Dr. Muhammad Asim Qureshi
Lecturer, University of Education, Lahore, Multan Campus, asimqureshi@ue.edu.pk

Mohammad Behzad Anwar
PhD Scholar, Department of Islamic Thought and Civilization, International Islamic University, Malaysia, mbakpo786@gmail.com

Abstract

The 18th century was a time of significant flux, particularly in the Subcontinent. The colonial hold of the British was tightening, while the Industrial Revolution was beginning to exert its influence on society. Recognizing the impending changes, Shah Waliyyullah (1703-1762) articulated his renaissance theory, grounded in the Quran and Hadith, aimed at revitalizing Islamic principles within society. Although his ideas are scattered throughout his works, his primary focus remained the Holy Quran, particularly in relation to human society. Maulana Ubaidullah Sindhi (1872-1944) was deeply influenced by Shah Waliyyullah's thoughts. He further illuminated the socio aspects of the Holy Quran. During his exile, he witnessed the rapid transformations of society following the world wars and colonial eras. He dedicated himself to imparting the socio-political teachings of Islam to the younger generation. His four Quranic Tafsirs in various languages illustrate how Quranic teachings

OPEN ACCESS
CC BY

reshaped seventh-century Arabic society. The impact of Quranic teachings was profound, leading to the transformation of tyrannical societies into just ones for nearly a millennium. This research article delves into the socio approach of Quranic interpreters.

Keywords: Shah Waliyyullah, Ubaidullah Sindhi, Tafseer, Society, Quranic Teachings

انسانی اجتماع ہزاروں سال سے اس دھرتی پر اپنی زندگی گزار رہا ہے۔ یہ اجتماع باہمی احتیاجات کے حوالے سے ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہے۔ ہر دور کی انسانیت اگلے دور کی انسانیت کے لیے سماجی ارتقاء کا سبب بنتی ہے۔ گویا یہ انسانیت ایک دوسری سے جڑی ہوئی ہے اور ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے۔ آج کا ترقی یافتہ سماج بھی پچھلے دور کے ارتقاء کا تسلسل ہے اور یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔

قرآن حکیم نے ابتدائے انسانیت حضرت آدمؑ سے لیکر اپنے نزول کی تکمیل تک انسانی سماج کا تعارف کروایا ہے۔ اس دوران مختلف سماجی تحریکات کا بطور نمونہ تعارف کروایا ہے اور آنے والے دور کے انسانوں کے لیے مکمل راہنمائی میسر کی ہے۔ قرآن حکیم نے انسانیت دوست اور انسانیت دشمن کرداروں کی پہچان کروائی ہے۔ حضرت نوحؑ کا تعارف ہے تو ان کے مقابل معاشرہ کے ملاء طبقہ کا کردار بیان کیا گیا ہے۔[1] قوم عاد، ثمود اور اہل مدین کی خرابیوں کا تذکرہ کیا ہے۔[2] حضرت ابراہیمؑ ہیں تو ان کی نمرود کے خلاف جدوجہد کا تعارف ہے۔[3] حضرت یوسفؑ کی حکومتی معاشی امور میں مہارت کا تذکرہ ہے۔[4] حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ پر فرعون، ہامان اور قارون کے انسانیت سوز گٹھ جوڑ کو بیان کیا ہے۔[5] قرآن سماج میں طبقاتی کشمکش کو واضح کرتا ہے اور معاشرے میں انسانیت دشمن بالادست قوتوں کے خلاف پست طبقوں کو منظم ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ معاشرے میں طبقاتی کشمکش کے خلاف ذیل میں سورۃ قصص کی آیات واضح رہنمائی دیتی ہیں کہ قرآن انسانی سوسائٹی میں سماجی تبدیلی کا داعی ہے۔

وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ۔[6]

ترجمہ: اور ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں ان لوگوں پر جو کمزور ہوئے پڑے تھے ملک میں اور کردیں ان کو سردار اور کردیں ان کو قائم مقام۔

یعنی معاشرہ میں وہ طبقات جن کو ظلم کے ذریعہ پست کر دیا گیا تھا ان کو معاشرے میں طاقت ور کر دیا جائے۔ اگر ہم قرآن حکیم کے قصص کا مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انبیاء معاشروں میں اس وقت تشریف لائے جب معاشروں میں طبقاتی کشمکش موجود ہوتی تھی۔ معاشرے میں ایک طبقہ بالادست ہو جاتا اور دوسرا طبقہ باوجود اکثریت میں ہونے کے پست کر دیا جاتا اور انہیں انسانی درجہ سے گرا کر عدل و انصاف سے محروم کر دیا جاتا۔ سیاسی و معاشی حقوق ایک طبقہ کے لیے خاص ہو جاتے۔ نچلے طبقہ کے بنیادی حقوق معطل کر دیے جاتے۔ سورۃ الحدید کی ذیل کی آیات انبیاء کی بعثت کی مقصدیت کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ۔[7]

OPEN ACCESS

CC BY

ترجمہ: ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دیکر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب، اور ترازو تا کہ لوگ سیدھے رہیں، انصاف پر، اور ہم نے اتارا لوہا، اس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے کام چلتے ہیں اور تا کہ معلوم کرے اللہ، کون مدد کرتا ہے، اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے، بے شک اللہ زور آور ہے زبردست۔

اس میں انبیاء کی بعثت کے دو بڑے مقاصد واضح ہیں۔

- انسانوں کو انصاف پر قائم کرنا۔
- انسان دشمن قوتوں کے خلاف مزاحمت کرنا۔

قرآن حکیم کی درج بالا آیات اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہیں کہ انبیاء معاشرے کے بالادست طبقہ کے خلاف مزاحمت پیدا کرتے ہیں۔ اور معاشرہ میں طبقاتی کشمکش کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔ بعض انبیاء کو اللہ نے نبوت کے ساتھ ساتھ حکومت و سلطنت بھی عطا کی۔ جیسا کہ یوسفؑ، داوٗدؑ اور سلیمانؑ کا ذکر بطور سربراہ ریاست یا بادشاہ نمایاں طور پر موجود ہے۔[8] محسن انسانیت حضور اکرم ﷺ نے مدینہ کی فلاحی ریاست قائم کی اور اس کی سربراہی فرمائی اور آپ کی مقدس جماعت صحابہ نے بین الاقوامی نظام حکومت قائم کیا۔ قرآن حکیم نے اس دور کے تمام سماجی مسائل کی نشاندہی کی اور اس معاشرے میں بنیادی تبدیلی کی دعوت دی جس پر حضور اکرم ﷺ اور آپ کی مقدس جماعت صحابہ نے عمل کیا۔ مسلمانوں کا عظیم الشان نظام حکومت وجود میں آیا۔[9] مسلم دور حکمرانی تقریباً 1300 سال تک دنیا میں قائم رہا۔

انسانی سماج کا ارتقا فطری عمل ہے، زمانہ آگے بڑھتا ہے، حالات بدلتے ہیں، تقاضے بدلتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے۔

يَسْأَلُهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ۔[10]

ترجمہ: اس سے مانگتے ہیں جو کوئی ہیں آسمانوں اور زمین میں، ہر روز اس کو نیا دھندا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو کیا تغیر زمانہ و حالات وارتقا کے عمل میں، قرآن حکیم کا کسی ایک دور کا تفسیری منہج اگلے دور کے تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے؟ یا کسی ایک پہلو پر کیا گیا کام دوسرے پہلو کے تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے؟ قرآن حکیم کی تشریح و تفسیر کا سلسلہ، آغاز نزول سے ہی جاری و ساری ہے۔ چونکہ قرآن حکیم کے اولین مخاطب عرب کے لوگ تھے لہذا قرآن حکیم کے احکامات عرب کی سوسائٹی کو پیش نظر رکھ کر دیے گئے۔ جن کی تشریحات خود حامل وحی، شارع حضرت محمد ﷺ نے کیں اور اس پر عملی نظام دیا۔ اس تشریح و تفسیر کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے جو بھی راہنمائی دی اس کی بنیاد قرآن حکیم میں ہے۔ جس طرح زندگی کے تمام معاملات میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارک کو نمونہ بنائیں۔ اسی طرح ہمارے لیے آپ ﷺ کی ذات مبارک سے یہ نمونہ ملتا ہے کہ معاشرتی مسائل کے حل کے لیے قرآن حکیم سے راہنمائی اور آیات کی تشریح کی جائے۔ قرآن حکیم سماج کی راہنما کتاب ہے جو خاتم النبیین محمد ﷺ پر نازل ہوئی۔ ختم نبوت کے ساتھ ہی وحی کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ مستقبل کے سماج کو جو مسائل درپیش ہوتے ہیں اس کے لیے بنیادی راہنمائی قرآن حکیم میں تدبر سے حاصل ہوتی ہے۔

صحابہ کے دور میں بھی قرآن حکیم کی تشریح و تفسیر کا سلسلہ جاری رہا جس میں حضور اکرم ﷺ کی تشریحات بطور نمونہ موجود تھیں۔ صحابہ نے حکومتی و ریاستی معاملات کے لیے قرآن حکیم اور تشریحات نبوی سے راہنمائی لی۔ عہد نبوی اور عہد صحابہ کے بعد آنے والے مفسرین کے لیے ایک سہولت یہ بن گئی قرآن حکیم کے احکامات عملی طور پر قبائلی سطح سے لے کر بین الاقوامی سطح تک عمل میں آچکے تھے۔ یہ احکامات یا تو خود ذات مبارک، حضرت محمد ﷺ کے تشریح کیے ہوئے تھے یا مقدس صحابہ کرام کے، جو حضرت محمد ﷺ کے تربیت یافتہ تھے

OPEN ACCESS
CC BY

کے تشریح و تفسیر کردہ تھے۔ بعد ازیں آپ ﷺ کی مقدس ذات اور آپ ﷺ کی مقدس جماعت رضوان اللہ اجمعین کے طریقہ تفاسیر کو پیش نظر رکھتے ہوئے اصول تفاسیر مرتب کیے گئے۔ تفسیر کے مختلف مناہج اختیار کیے گئے۔ جن میں معروف مناہج حسب ذیل ہیں۔

تفسیر بالماثور:

"جامع البیان فی تفسیر القرآن "اس منہج کی ابتدائی نمائندہ تفسیر ہے۔ جس کے مفسر ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید طبری (م310ھ) ہیں۔ اسی طرح "تفسیر القران العظیم "اس منہج کی ایک نمایاں کتاب ہے جو عماد الدین ابولفداء اسماعیل بن عمرو بن کثیر (م774ھ) کی ہے۔ تفسیر بالماثور میں قرآن حکیم، حدیث، اقوال صحابہ اسرائیلی روایات اور لغات عرب سے راہنمائی لیکر تفسیر کی جاتی ہے۔ مذکورہ تفاسیر اور اس منہج کی دیگر تفاسیر اپنے دور کے مسائل کی راہنمائی کا ایک معقول اور معتمد ذریعہ رہی ہیں۔[11]

تفسیر بالرائے:

اس منہج کی نمائندہ تفسیر مفاتیح الغیب المعروف تفسیر کبیر ہے جس کے مفسر ابو عبداللہ محمد بن عمر بن حسین فخر الدین الرازی (م606ھ) ہیں۔ جیساکہ ذکر ہوا کہ ہر دور کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ اور علوم کی تشریحات ان تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہیں۔ قرآن حکیم جس کی اصل محفوظ ہے۔ لیکن اس کی تشریحات ہر دور میں ہوئی ہیں ایسے ہی تفسیر بالرائے بھی اس دور کے تقاضوں کے مطابق بعض علمی بحثوں کے جواب میں ہے۔ تفسیر بالرائے محمود بہت سے مفید علمی مباحث کا راستہ کھولتی ہے۔[12]

تفسیر کا ادبی منہج:

قرآن حکیم کی ادبی و لغوی تشریح ایک بنیادی ضرورت تھی۔ جس کے بغیر قرآن حکیم کو سمجھنا مشکل عمل ہے بلکہ اہل عجم کے لیے ناممکن ہے۔ چنانچہ اس منہج کی نمائندہ تفسیر "معانی القرآن "یحییٰ بن زیاد الفراء (م207ھ) کی ہے۔ یہ منہج مابعد آنے والے مفسرین، محدثین اور فقہاء کے لیے راہنما کردار ادا کرتی ہیں۔[13]

تفسیر کا فقہی منہج:

یہ منہج بھی تفسیر بالرائے کا ہی ایک اسلوب ہے۔ اس کو اس لیے علیحدہ تحریر کیا گیا کہ یہ قرآن حکیم کے علم الاحکام کی وضاحت کرتا ہے۔ یعنی تفسیر بالرائے کا دائرہ اگر وسیع ہے تو اس کا دائرہ فقہی مباحث تک محدود ہے۔ یقیناً اس منہج نے اپنے دور کے سماج کو درپیش مسائل کا حل دیا ہے۔ امام ابو بکر جصاص (م370ھ) کی احکام القرآن اور ابوالخیر عبداللہ بن عمر ناصر الدین بیضاوی (م716ھ) کی انوار التنزیل و اسرار التاویل اس منہج کی نمایاں کتاب ہے۔[14]

تفسیر کا کلامی منہج:

تفسیر کا یہ منہج فلسفیانہ ہے۔ ان کا عموماً زمینی حقائق سے کم ہی علاقہ ہوتا ہے۔ اس منہج کے حاملین نے عقائد پر مباحث کی ہیں۔ توحید، وجود باری تعالی، فرشتے، مقامات عرش و سماوات، آخرت اور کتب الٰہیہ وغیرہ پر فلسفیانہ گفتگو موجود ہے۔ اس منہج کی بیشتر تفاسیر کا تفسیری ذخیرہ محفوظ نہیں رہا۔ کلامی منہج پر "الکشاف عن حقائق التنزیل "ابوالقاسم محمود بن عمر زمخشری (م467ھ) کی بہت ہی جامع، معروف اور بلند پایہ تفسیر ہے۔[15]

تفسیر کا اشاری منہج:

تفسیر القرآن العظیم ابو محمد سہل بن عبداللہ تستری (م200ھ) کی تفسیر ہے، یہ صوفیانہ طرز کی تفسیر ہے جس میں تصوف کے پہلو غالب ہوتے

OPEN ACCESS
CC BY

ہیں اور تفسیر کے ظاہر کی بجائے باطنی پہلوؤں کو لیا جاتا ہے۔ تفسیر کا یہ منہج طبقہ صوفیاء کے ذوق کی ہی تسکین کرتا ہے۔ محی الدین ابن عربی(م638ھ)کو اس منہج میں نمایاں مقام حاصل ہے۔[16]

تفسیر کا عقلی منہج:

تفسیر القرآن سر سید احمد خان(م1898ء) کی تفسیر اس منہج کی نمائندہ تفسیر ہے۔ جس میں قران حکیم کی تفسیر عقلی بنیادوں پر کی گئی ہے۔ معجزات کو عقلی بنیادوں پر پیش کیا گیا ہے۔[17]

تفسیر کا سائنسی منہج:

"الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم" شیخ طنطاوی جوہری(م1940ء)اس منہج کی واحد نمائندہ تفسیر ہے۔اس منہج میں قرآن حکیم کی علوم جدیدہ سے مطابقت کی کوشش کی گئی ہے۔[18]

تفاسیر کے مذکورہ بالا مناہج اپنے دور کے سماجی تقاضوں پورا کرنے یا سماجی ارتقاء سے متاثر ہو کر پیش کیے گئے۔ یا ایک مخصوص طبقہ کے ذوق کی تسکین کا سامان کرتے رہے ہیں۔ مثلا تفسیر بالماثور ابتدائی دور کے سماجی تقاضوں کے مسائل کی راہنمائی کے لیے موزوں تھا ۔بعد کے ادوار میں اسی منہج کو پیش نظر رکھ کر فقہی مسائل مدون ہوئے، یہ فقہی مسائل بھی دراصل قرآن وحدیث کی عملی تفسیر ہیں۔ جس نے طویل عرصہ تک انسانی ضروریات کو پورا کیا۔ تفسیر کا کلامی منہج عقائد کو گہرائی میں جا کر بیان کرتا ہے جو عموما فلسفیانہ ذہن کی تسکین کرتا ہے۔ تفسیر کا اشاری منہج صوفیانہ طرز فکر کی راہنمائی و تربیتی پہلوؤں کے تقاضوں سے مطابقت رکھتا ہے۔اسی طرح سائنسی دور کو عقلیات کا دور کہا جاتا ہے،اس لیے قرآنی تفسیر میں بھی ہر بات کو عقلی دلائل سے پیش کرنے کا طرز فکر پروان چڑھا۔ جبکہ سائنسی دور نے معاشرے میں جو تبدیلیاں پیدا کیں اور اس سے سماج میں بہت زیادہ اتھل پتھل ہوئی،اس دور کی بعض تفاسیر پیش آمدہ مسائل کو زیر بحث لا کر ان پر فتویٰ کا انداز تو اختیار کرتی ہیں یا اس پر مذہبی دلائل کا سامان میسر کر دیتی ہیں۔ لیکن اس دور کے عملی مسائل،جدید سیاسی و سماجی تشکیل کی بنیاد اور اس کے خدو خال کو زیر بحث نہیں لاتیں۔اس کے حوالے سے قرآن سے راہنمائی ہنوز تشنہ تکمیل نظر آتی ہے،ذیل میں اس پہلو پر گفتگو کی گئی ہے۔

اٹھارویں صدی سماجی ارتقاء کے حوالے سے بہت اہمیت کی حامل ہے۔ بالخصوص سائنسی ارتقاء، مشین کی ایجاد اور فلسفوں کی تشکیل اس صدی کی اہم پیش رفت ہے۔ جس کے اثرات آنے والے وقتوں تک محسوس ہوتے رہیں گے تاوقتیکہ ایک نیا تمدن وجود میں آئے۔ اسی دور میں امام شاہ ولی اللہ[19] نے ہندوستانی سوسائٹی اور امت مسلمہ کو پیش نظر رکھ کر فلسفہ مرتب کیا۔ بالخصوص قرآن حکیم کی فکر کو معاشرے میں عام کرنے کے لیے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا جس سے یہ طبقہ خاص سے نکل کر عام افراد کے لیے براہ راست علم کا ذریعہ بن گیا۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ نے اصول تفسیر مرتب کیے۔ جو تفسیر کے دائرہ کار اور اس کی عصری تقاضوں سے راہنمائی لینے کا راستہ دیتے ہیں۔ شاہ صاحب کے بیٹوں میں مولانا عبدالعزیز محدث دہلوی[20] (1823)نے فارسی میں تفسیر عزیزی مرتب کی، مولانا شاہ رفیع الدین[21] (1817)نے قرآن کا اردو میں ترجمہ کیا، مولانا شاہ عبدالقادر[22] (1814)نے اردو میں قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر موضح القرآن لکھی۔ یہ تفاسیر روایتی انداز سے ہٹ کر افراد معاشرہ کو اسوہ حسنہ کے اجتماعی مطالعہ کی روشنی میں معاشرتی جمود کو توڑنے اور آگے بڑھنے کے راستے سے آگہی کا ذریعہ بنتی ہیں۔

اسی طرح بیسویں صدی کے آخر میں صنعتی انقلاب میں ایک اہم پیش رفت ہوتی ہے اور دنیا ڈیجیٹل دور میں داخل ہوتی ہے۔ معیشت کا انفرادی

CC BY

تصور جو مشین کی آمد سے تقریبا کمزور پڑ گیا تھا، ختم ہو گیا۔ اداراجاتی عمل ترقی کر گیا۔ مشین نے بہت سے افراد کو باہم ملک کر پیدائش دولت کے عمل میں جوڑ دیا۔ اب کوئی فرد تنہا اپنی محنت کا مالک نہیں رہا۔ ان ایجادات اور ترقیات نے دنیاء انسانیت کو ایک دوسرے سے پیوست کر دیا۔ مذہب جو کہ ایک سماج کی راہنمائی کے لیے ہی آتا ہے۔ سماجیات اور مذہب کو ایک دوسرے سے جوڑ کر پیش کرنا۔ مذہب کا اجتماعی تصور پیش کرنا اس دور کی بنیادی ضرورت بن گیا۔ قرآن حکیم جو کہ مسلمانوں کی اساسی کتاب ہے ۔ قیامت تک مسلمانوں کی راہنمائی کا ذریعہ ہے۔ ضرورت ہے کہ تفسیر کا ایسا منہج سامنے آئے جو اس دور کی سماجی ضرورت کو پورا کرے۔ کسی بھی مسئلہ کا ہنگامی حل پیش کرنے کی بجائے سماج کی ٹھوس بنیادوں پر تشکیل کا سامان پیدا کرے۔ اس تناظر میں مولانا عبید اللہ سندھی[23] کے اسلوب تفسیر عام روایتی اسلوب تفسیر سے الگ نظر آتا ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ امام شاہ ولی اللہ کے سلسلہ فکر کی ایک کڑی تھے جن کی قرآنی خدمات زیر بحث لائی گئی ہیں۔

مولانا عبید اللہ سندھی کی تفسیری خدمات کا اجمالی جائزہ:

شیخ الہند مولانا محمود حسن نے ایک طرف شاہ عبد القادر دہلویؒ کے اردو ترجمہ قرآن پر نظر ثانی کر کے اس دور کی رائج زبان میں پیش کیا جو "موضح الفرقان" کے نام سے موجود ہے دوسری طرف امام شاہ ولی اللہؒ کے اصول تفسیر اور قرآنی فکر و فلسفہ کو ہندوستان کی دو علمی تحریکوں دار العلوم دیوبند اور علی گڑھ کالج کے طلباء میں منتقل کرنے، ان اداروں کے طلباء میں ہم آہنگی پیدا کرنے، قرآنی افکار کی ترویج اور غلبہ دین کی قرآنی حکمت پر تربیت کے لئے "نظارۃ المعارف القرآنیہ[24]" قائم کی۔[25] جس کا قیام 13 جون 1913 کو متحدہ ہندوستان کے شہر دہلی میں عمل میں لایا گیا۔[26] شیخ الہند مولانا محمود حسن نے اپنے باعتماد شاگرد مولانا عبید اللہ سندھی کو نظارۃ المعارف کی ذمہ داری سونپی۔ جہاں آپ 1915 تک مصروف عمل رہے۔[27]

مطالعہ قرآن حکیم کے اصول:

مولانا عبید اللہ سندھی نے نظارۃ المعارف القرآنیہ میں قرآنی تعلیم کے لیے کچھ بنیادی اصول مطالعہ قرآن کو پیش نظر رکھا، جو کتابی صورت میں دستیاب ہے۔ جس میں مولانا عبید اللہ سندھی نے قرآن کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ، اس طرف متوجہ کیا ہے کہ سماج پر مطالعہ قرآن کے نتیجے میں اجتماعی اثرات کیا مرتب ہونے چاہییں؟ چنانچہ آپ نے قرآن کے اعجاز اور اس کی تاثیر کو پیش نظر رکھ کر اصول مطالعہ قرآن پیش کیے۔ [(28)] جس میں بنیادی اصول نمونہ کے طور پر حسب ذیل پیش کیے گئے ہیں۔

1۔ قرآن تدبر کی دعوت دیتا ہے اور اس پر معاشرتی تشکیل کی بات کرتا ہے۔ مولانا سندھیؒ کے نزدیک مسلمان قرآن جیسی اعلیٰ کتاب کے ہوتے ہوئے معاشرتی پستی کا شکار ہیں، جس کی بنیادی وجہ قرآن پر تدبر نہ کرنا ہے۔ اس دور میں جسے تدبر کہا یا سمجھا جا رہا ہے وہ تدبر قرآن کے نام پر مختلف تفاسیر اور ان کی شروح پر تدبر ہے جو اپنے دور کے مخصوص تقاضوں کے تناظر میں لکھی گئیں جن کا بیسویں صدی کے تقاضوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ [(29)]

سورۃ المزمل کی آیت (وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا۔ ترجمہ: اور کھول کھول کر پڑھ قرآن کو صاف) [(30)] کی تشریح میں مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ "قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھنے کی اتنی اہمیت اور تاکید خود قرآن حکیم کے بیان کرنے کے باوجود مسلمانوں نے غور و فکر کے بغیر اور عقل کو ایک طرف رکھ کر پڑھنے کے عمل کو کیسے کافی سمجھ لیا؟ نہ معلوم کس زمانے میں مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کر دیا گیا کہ قرآن کا مطلب سمجھے بغیر صرف حلق سے "ح" نکالنا یا شین، قاف کو درست کر کے پڑھنے کا نام ترتیل ہے۔" [(31)]

OPEN ACCESS
CC BY

2۔ مطالعہ قرآن میں روح عصر کو سامنے رکھنا ضروری اور لازمی عمل ہے۔ مولانا سندھی کا کہنا ہے کہ مطالعہ قرآن کے بنیادی اصولوں میں روح عصر یعنی ہر دور کے بنیادی تقاضوں اور موجود زمانہ کے حالات کا ادراک، اور معاشروں میں وقوع پذیر بنیادی تبدیلیوں سے آگاہی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ قرآن حکیم کی بہت سی آیات اس طرف متوجہ کرتی ہیں کہ قرآن کے اولین مخاطب عرب معاشرہ کو اس دور کے حالات کی طرف کس طرح متوجہ کیا گیا، اس تناظر میں بیسویں صدی کی اہم تبدیلیوں کو نظر انداز کرنا اور اس کے معاشروں پر اثرات سے پہلو تہی کیسے مناسب عمل ہو سکتا ہے؟(32)

> سورۃ العصر کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ "عصر کے معنی ہیں وقت، جس کے ساتھ گزرنے کا تصور بھی ہو یعنی گزرنے والا زمانہ، یہ زمانہ کوئی ٹھہری ہوئی چیز نہیں بلکہ یہ متبدل ہے، جو قوم روح عصر کے تقاضوں سے خود کو ہم آہنگ کرتی رہی وہ عروج پر چلی گئی جس قوم نے رجعت پسندی اختیار کی یا تو وہ زمانہ سے بہت پیچھے چلے گئے یا وقت گزرنے کے ساتھ ان کے تمدن مٹ گئے اور اگر ان میں انسانیت سرے سے مفقود ہو گئی تو ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا"۔(33)

3۔ قرآن کو پڑھتے وقت اس کا مقصد پیش نظر رکھنا ناگزیر عمل ہے۔ جیسا کہ قرآن نے انبیاء کی بعثت کے مقاصد واضح کیے ہیں۔

مولانا سندھی فرماتے ہیں کہ ایک شخص قرآن حکیم پڑھے لیکن اس کے پڑھنے کا مقصد اسکے سامنے نہ ہو، وہ اپنے اندر اس کے اثرات نہیں پیدا کر سکے گا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ قرآن کو مانتا ہو لیکن اس کا عمل اس کے خلاف ہو۔ قرآن کے ساتھ بے شعوری کا تعلق یا اس پر غور و فکر اور تدبر نہ کرنے سے اس کے معاشرے میں کوئی اثرات و نتائج پیدا نہیں ہو سکتے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ ہر عمل اپنا ایک نتیجہ رکھتا ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیم بھی معاشرے میں اپنا اثر پیدا کرنا چاہتی ہے۔34

مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ یہ فقط قرآن مجید کی تعلیم کا اثر تھا کہ چند سال کے عرصہ میں عرب کے بت پرست اور جاہل لوگ دنیا میں سب سے زیادہ خدا پرست، سب سے زیادہ متمدن، سب سے زیادہ مہذب اور سب سے زیادہ طاقتور بن گئے۔ اسی قرآن کی تعلیم نے ان میں نہایت جلد ایسے کامل ترین اخلاق پیدا کر دیے کہ اگر ایک طرف چند سال کے عرصہ میں دنیا کی سب سے بڑی سلطنتوں نے متفقہ طور سے ان کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا تھا تو دوسری طرف وہ سب سے زیادہ خدا پرست بن گئے تھے۔35

4۔ قصص قرآن کا مقصد واقعات تاریخ سے فائدہ اٹھا کر ان کو شمع ہدایت بنانا ہے۔ مولانا سندھی کے مطالعہ قرآن میں قصص قرآن کا مقصد یہ ہے کہ باشعور انسان ان واقعات تاریخ سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے لیے ان کو شمع ہدایت بنائیں۔ انبیاء اور صلحا کے نقش قدم پر چل کر پوری کامیابی حاصل کریں اور یہ صرف قصہ کہانیاں نہیں ہیں۔ قرآن حکیم نے قصہ یوسف کو احسن القصص قرار دیا ہے۔ لیکن اس کو یوسف و زلیخا کا قصہ عشق بنا دیا گیا۔ جس کے نتیجے میں اس کے سیاسی و معاشی مقاصد پنہاں ہو گئے۔(36) یوسفؑ اپنے رب کے انعامات کا ذکر کرتے ہیں۔

مولانا سندھی آیت (رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ۔ ترجمہ: اے میرے پروردگار تو نے مجھے حکومت میں سے حصہ دیا) (37) سے مقصد اخذ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اپنے مقصد کو نہ چھوڑنا اور ہر حال میں کام جاری رکھنا خواہ آزادی ہو یا نہ ہو، یہ نہایت عمدہ سبق ہے۔ اسی جہد مسلسل اور اپنے مقصد کا مقدم رکھنے کا نتیجہ ہے کہ یوسفؑ ایک اجنبی ملک میں غلامی کے درجے سے ترقی کے اس درجے تک پہنچے کے وہ حکومت کرنے لگے۔(38)

CC BY

5۔ قرآنی اصطلاحات والفاظ اپنے اندر معنویت رکھتے ہیں، جنہیں درست تناظر میں سمجھنا ضروری ہے۔

مولانا سندھی کا رجحان فکر یہ تھا کہ اصل قرآن کو پیش نظر رکھا جانا ضروری ہے، محض تراجم یا تفاسیر کو پیش نظر رکھ کر قرآن حکیم کی تشریح پیش کرنے سے قرآنی الفاظ کی جو وسعت ہے اس سے دوری پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ غلط مفہوم رائج ہو گئے۔ دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ مفسر نے جس چیز پر زور دیا ہوتا ہے اس پر زیادہ توجہ چلی جاتی ہے، جس سے قرآن کے اہم حصے نظرانداز ہو جاتے ہیں۔ یوں اصل کتاب سامنے ہونے کی بجائے دیگر مطبوعہ چیزیں ہی پیش نظر رہیں تو قرآن کی حقیقت، اس کی اصل تعلیم سامنے نہیں آئے گی اور قرآن کی آفاقیت پس منظر میں چلی جائے گی۔[(39)]

مثلاً "دعا" کا مفہوم یہ تصور ہوتا ہے کہ بغیر کچھ کئے اللہ سے مانگنا اور یہ تصور کر لینا کہ اللہ خود بخود عطا کر دیں گے۔ گویا دعا بے عملی کا نام بن گیا۔[40] مولانا سندھیؒ سورہ فاتحہ کی آیت (اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ۔ بتلا ہم کو سیدھی راہ)[(41)] کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ دعا سے مراد اس ارادہ کا اظہار ہے جو ہم اپنے دل میں بناتے ہیں یعنی یہ کہ ہم عمل کریں گے ہم اس راہ میں اپنی تمام قوتیں صرف کر دیں گے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ اس راہ میں رکاوٹیں پیش آئیں گی اس وقت ہم اپنے اللہ سے جو رب رحمن و رحیم اور مالک و قادر ہے درخواست کریں گے کہ وہ ان رکاوٹوں کو ہمارے راستہ سے دور فرمانے میں ہماری مدد کرے۔ یہاں تک کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔ ان معنوں میں دعا عمل کے دوران درپیش رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے مدد الٰہی کو چاہنے کا نام ہے۔[(42)] تفصیلات کے لیے راقم کے ایم فل مقالہ میں موجود ہیں۔

مولانا سندھی کی تفسیری خدمات اور لسانی تنوع:

مولانا عبید اللہ سندھیؒ 1915 کو شیخ الہندؒ کے حکم پر جدجہد آزادی کے سلسلہ میں افغانستان گئے۔ افغانستان میں آپ کے شاگرد ظفر حسن ایبک[(43)] نے "الدین والسیاسۃ فی القرآن" کے عنوان سے آپ کے دروس قرانیہ کو قلمبند کیا۔[(44)] 1922 میں روس گئے۔ 1923[45] میں ترکی تشریف لے گئے۔ 1926[46] میں ترکی سے حجاز کے لئے روانہ ہوئے۔[47] 1926 سے 1939 تک حجاز میں رہے، جہاں بیٹھ کر آپ نے دنیا بھر کے انقلابات جن کا مشاہدہ آپ براہ راست کر چکے تھے کا تجزیہ کیا۔[(48)] حجاز میں قیام کے دوران اور ہندوستان واپسی پر آپ نے اپنے شاگردوں کو تفسیری دروس دیے جن کو انہوں نے اپنے الفاظ اور تعبیرات کے ساتھ محفوظ کیا۔ جن میں سے 4 معروف تفاسیر حسب ذیل ہیں۔

i. الہام الرحمن عربی زبان میں ہے۔ جو مولانا موسیٰ جار اللہ[49] نے قلمبند کیا۔

ii. القاء المنان فی تفسیر القرآن سندھی زبان میں ہے۔ جو مولانا محمد مدنی[50] ضبط تحریر میں لائے۔

iii. تفسیر المقام المحمود اردو زبان میں ہے۔ اس تفسیر کو مولانا عبداللہ بن نہال لغاری[51] نے قلمبند کیا۔

iv. قرآنی شعور انقلاب مولانا بشیر احمد لدھیانوی[52] اور مولانا خدا بخش[53] ضبط تحریر میں لائے۔

درج بالا تفاسیر کی تفاصیل راقم کے پی ایچ ڈی مقالہ میں موجود ہیں

مولانا سندھیؒ کی تفسیر میں اجتماعی، سماجی و عمرانی تصورات کا مطالعہ:

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے منہج تفسیر کو واضح کرنے کے لیے ذیل میں منتخب آیات کی تفسیر بیان کی جائے گی۔

نبوت کا مقصد اجتماعیت انسانی کی تکمیل:

OPEN ACCESS
CC BY

تفسیر الہام الرحمن میں سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیت[54] کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا عبید اللہ سندھیؒ العالمین کے معنٰی و مفہوم کی تعیین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ العالمین سے مراد امتیں اور قومیں ہیں۔ العالمین کا اللہ کے سوا سب پر اطلاق کیا جاتا ہے نیز مخلوقات میں سے نوع انسانی پر بھی اطلاق ہوتا ہے[55]۔ مولانا سندھیؒ کا رجحان فکر یہ ہے کہ لفظ عالم سے مراد قومیں بھی ہے۔ جیسا کہ آیت میں ہے کہ "انی فضلتکم علی العالمین"[56] یعنی زمانہ کی موجود قوموں پر قرآنی جماعت کو فضیلت دی۔ سورۃ فاتحہ قرآن عظیم کا خلاصہ ہے، جو خاتم النبیین کی طرف وحی ہوئی ہے، نبوت کا موضوع اجتماعیت انسانیہ ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں ان الفاظ کا تعلق انسانیت سے ہے۔ زمین و آسمان اور کائنات کی چیزوں کا ذکر یا جن، ملائکہ، جنت اور دوزخ کا ذکر اسی اجتماعیت انسانیت کے ضمن میں ہے۔ اصل مقصد اجتماعیت انسانیہ کی تکمیل ہے۔ ہمارے نبی خاتم الانبیاء ﷺ کی نبوت کا مقصد تمام امتوں کے لئے، فطرت انسانی کے نظام کے تحت عمومی تحریک کی تکمیل ہے۔ چنانچہ یہاں العالمین کا معنٰی اقوام اور امم ہی درست ٹھہرے گا۔

مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ اقرء کے انفرادی حکم اور العالمین کے اجتماعی معنی میں تطبیق دیتے ہوئے مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ قوم کے مفہوم سے انسان اس صورت میں متعارف تھا کہ انسان طبیعی طور پر، قبیلہ اور جغرافیہ سے ایک تعلق رکھتا ہے، جس سے آباؤ اجداد و امہات کا ایک نسبی سلسلہ چلتا ہے۔ جب انسان سلسلہ نسب کی جستجو کرتا ہوا اس کی کڑیاں ملاتا ہے تو اپنے آباؤ اجداد کو اپنی قوم کے راہبر و راہنما پاتا ہے۔ گویا قوم کی معرفت کا مدار خود انسان کا نفس ہوتا ہے۔ اس لیے پہلی توجہ نفس کی طرف دلواتے ہوئے اللہ تعالی نے وحی کا افتتاح اقراء باسم ربک سے فرمایا اور بعثت نبویہ کا دوسرا درجہ جو اس کا حقیقی مقصد تھا کہ تمام امم کو ملت ابراہیمی کے تحت جمع کرنا تھا اس لیے اللہ تعالی نے الحمد للہ رب العالمین سے سورت فاتحہ کا افتتاح فرمایا۔

قرآن حکیم کے مقدمہ میں بعثت نبوی کے حقیقی مقصد کی وضاحت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبوت کا پہلا درجہ، دوسرے درجہ کے لئے بنیاد اور ذریعہ ہے۔ گویا اسلام کا عنوان الحرکۃ العالمیۃ الانسانیۃ یعنی انسانیت کی عالمی تحریک ہے نہ کہ عربیت کی تحریک۔ ربی تحریک، عالمی تحریک کے مبادیات میں سے تھی۔ اس عالمی تحریک کی ابتداء حضرت ابراہیمؑ سے ہوئی، اس لئے اللہ نے ابراہیمؑ کو انسانیت عامہ کا امام بنایا۔ اولاد ابراہیم بھی اسی امامت کی توسیع میں کوشاں رہی۔ تو اس صورت میں بے شک یہ عالمی تحریک بن جاتی ہے۔

اس کے بعد خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ الحمد للہ رب العالمین کا معنی یہ ہوا کہ وہ عالمی نظام جسے اللہ رب العالمین نے قائم کر رکھا ہے جو مختلف امتوں میں موجود ہے، اس کے نظام میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں پایا جاتا، ایسی ذات قابل تعریف ہے۔ یہ نظام فطرۃ انسانی کے عین مطابق ہے۔ اس کے مقابل ایسے کسی نظام کو تخیل کرنا کہ وہ اس سے احسن ہوگا، بے عقلی کے سوا کچھ نہیں۔ جس کے ذہن میں ایسا نقص خیال ہو اس کو چاہئے کہ اپنی پوری قوت کو تین کاموں میں لگا دے۔

1۔ اس نظام کے سمجھنے میں

2۔ اس نظام کو فطرۃ انسانیہ پر قائم کرنے میں۔

3۔ اس نظام کے فطرۃ کے خلاف نہ ہونے میں۔

لیکن ایسا تصوراتی ذہن عاجز آجائے گا کہ وہ کوئی عمدہ نظام قائم کر سکے۔ بعض حکماء کہہ چکے ہیں کہ جو نظام اللہ تعالی کی طرف سے قائم ہو چکا اس سے زیادہ عمدہ کسی کے امکان میں نہیں ہے تو گویا یہ قول اس کے کمال حکمت اور اس فطرت پر ہے جس پر اللہ تعالی نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے کہ

OPEN ACCESS
CC BY

فہم اور سمجھ جانے کی دلیل ہے۔یعنی سورۃ فاتحہ کا یہ جملہ اس بات کی طرف دعویٰ کر رہا ہے کہ اس جیسا نظام ہونا ناممکن۔[57]

"ربُّ الا قوام" کے مفہوم میں وسعت:

کوئی بھی انسان ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ کو اپنے الٰہ یعنی معبود و محبوب اور اپنے رب کی حیثیت سے پہچانتا ہے۔جب وہ عالمی تحریک شروع کرے تو اسے طبعی طور پر اپنے رب کو رب العالمین بمعنٰی رب الا قوام کے طور پر ماننا ہوگا۔اس سے اس فرد میں رب کا تعارف محض اس کی ذات سے وابستہ نہیں رہے گا بلکہ پوری نوع انسانی کے رب ہونے کا تصور ابھر کر اس کے ذہن و نفسیات میں وسعت پیدا کرے گا۔اللہ تعالیٰ اس فرد کا،اس کے خاندان، قبیلے یا اس کی قوم کا رب نہیں ہے بلکہ تمام اقوامِ عالم کا رب ہے۔اور وہ رب تمام اقوام کو بتدریج ارتقاء کے اس درجے تک پہنچائے گا جو ان کا مقصد تخلیق ہے۔یوں اس نظریہ کو قبول کرنے والے کا ذہن قبائلی، علاقائی و قومی عصبیتوں سے پاک ہو کر کل انسانیت کی خدمت کی طرف متوجہ ہوگا۔اپنے رب کے تعلق کے ساتھ ساتھ انسانیت دوست بن کر معاشرتی ارتقاء کی نئی منازل کی طرف متوجہ ہوگا۔[58]

بندگی کا مفہوم اور تقاضا:

تفسیر القاء المنان میں سورۃ الفاتحہ کی چوتھی آیت[59] میں مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ ایاک نعبد میں انسان اقرار کرتا ہے کہ وہ خاص اللہ ہی کی بندگی کرتا ہے۔کیونکہ انسان کی عزت اللہ کی بندگی میں ہے۔یہ وجود اور انسانی عظمتیں اس کی ہی ودیعت کردہ ہیں۔اللہ کے سوا کسی اور کی کوئی بندگی نہیں ہے۔نہ ہی اس سے بڑھ کر انسان کی کوئی ترقی ہے۔جب انسان اس کے ماسوا تمام بندگیوں سے انکار کر دیتا ہے،اور وہ یہ ذہن بنالیتا ہے کہ دوسری اشیاء اس کی کوئی مدد نہیں کرتیں تو وہ کسی اور سے مدد نہیں مانگتا۔اگر وہ کسی غیر سے مدد مانگے کا تو اس کا غلام بن جائے گا۔ایک انسان دوسرے سے تعاون کرتا ہے یہ جائز ہے۔اس لیے کہ باہمی احتیاجگی کے تقاضے کے تحت کوئی ہمارے کام کرتا ہے تو ہم اس کے کام آتے ہیں۔اس دوطرفہ عمل میں بندگی نہیں ہے۔بندگی یکطرفہ ہے کہ صرف اللہ سے مانگا جائے۔کسی اور سے مانگنے کی ذہنیت غلامی پیدا کرتی ہے۔بندگی کی درست ذہنیت کے ساتھ انسان ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔اس حریت کو باقی رکھتے ہوئے انسان گھر بنائے، شہر بنائے، ملک بنائے، یا ملک خلیفہ بن جائے۔[60]

نعمت الٰہی سے مراد علم اور حکومت:

تفسیر المقام المحمود میں سورۃ البقرۃ:2:40[61] میں مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کی نعمت سے مراد علم اور حکومت لیتے ہیں۔دماغ کی ترقی کے لئے (علم) دین کا ہونا ضروری ہے،اور دین کو قائم کرنے کے لئے حکومت ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکومت دی اور جب تک وہ قانون الٰہی پر کاربند رہے اس وقت تک حکومت ان کے قبضہ میں رہی۔اور جب نافرمان ہوگئے تو حکومت ان سے چھن گئی اور ان کی بجائے قانون الٰہی پر عمل کرنے والی قوم یعنی مسلمانوں کو عطا کی گئی۔عربوں کی حالت اس قرآن یعنی قانون الٰہی پر عمل کرنے سے سدھر گئی۔

قرآن حکیم کی یہ آیات متوجہ کر رہی ہیں کہ اسلام سے پہلے بہت سی متمدن اور مہذب قومیں دنیا میں گزر چکی ہیں۔جیسے یہود و نصاری مگر ان کا تمدن ایک برباد شدہ چیز ہے جو اب رائج نہیں ہو سکتا اور نہ اس وقت اس پر عمل ہو سکتا ہے اس وقت ایک اور مکمل قانون الٰہی کی دنیا کو ضرورت ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي جو دنیا کو راستبازی اور امن اور تمدن کا سبق دے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے

OPEN ACCESS
CC BY

قرآن حکیم نازل ہوا۔

موجودہ زمانہ میں پہلی کتابوں یعنی توریت، زبور، انجیل سے اس وقت کوئی شخص فائدہ نہیں اٹھا سکتا جب تک وہ قرآن حکیم کی تعلیمات سے استفادہ نہ کرے، قرآن کے بغیر اس زمانہ میں حکومت قائم نہیں کر سکتے۔ موجود زمانہ کی ضروریات کا متکفل (ضامن) بھی قرآن ہی ہے غرض عہد اللہ سے مراد کتاب اللہ، اس کتاب اللہ کے ذریعے اللہ تعالی قوموں سے معاہدہ کرتا ہے کہ یہ کتاب تم کو دی جاتی ہے اس کے تمام احکام پر پورے طریقے سے عمل کرو۔ اس پر عمل کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ دنیا میں بڑی بڑی حکومتیں اور آخرت میں جنت عطا کریں گے۔[62]

تمدنی زندگی کا ارتقاء:

تفسیر المقام المحمود میں سورۃ البقرۃ کی آیت 60[63] میں مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں پانی کی تقسیم کا عمل ظاہر کرتا ہے کہ بنی اسرائیل بدوی زندگی سے تمدنی زندگی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ان کے لئے بارہ چشمے جاری ہوئے اور ہر ایک قبیلہ اپنے چشمے سے پانی لے رہا ہے۔ اسی طرح شہری زندگی میں ہوتا ہے جہاں وسائل کی تقسیم ہوتی ہے شہر میں محلے ہوتے ہیں ہر ایک محلے میں جدا جدا آبادی اور کنویں ہوتے ہیں۔[64]

رزق حلال اور عدل انسانی اجتماعیت کا بنیادی تقاضا:

تفسیر المقام المحمود میں سورۃ البقرۃ کی آیت 168[65] کی تفسیر میں مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں انسانوں کو حکم ہے کہ رزق حلال کماؤ اور اسے طیب کر کے کھاؤ، یہی انسانی شرافت اور تمدن کی بنیاد ہے۔ حلال کمانا پھر عمدہ سے پکا کر کھانا، کچا نہ کھانا۔ (وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ) ظالم لوگ شیطان کے بھائی ہیں ان کے بنائے ہوئے قاعدے ضابطے شیطانی ہیں جو سود خوری، ظلم کے راستے اور لوٹنی کی تدبیریں سکھائیں گے۔ (إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ) انسانیت اجتماعیت کا نام ہے۔ اجتماعیت کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ کسب حلال ہو اور عدل ہو۔ اگر ظلم ہو تو تمدن خراب ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں شہری نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ آبادی کی جگہ ویرانی آجاتی ہے اور انسانیت مصائب کا شکار ہو جاتی ہے۔ تو یہ شیطانی کام ہے اور شیطان انسان کا ظاہر دشمن ہے اور ظالم اور فریب کار لوگ تمہارے ظاہری دشمن ہیں۔ تمہارا مال، تمہاری عزت، تمہارا دین برباد کرنا چاہتے ہیں۔[66]

قوموں میں اختلافات کی وجوہات:

تفسیر الہام الرحمن میں سورۃ البقرۃ کی آیت 213[67] میں مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ تمام نوع انسانی ایک ہی طرح پر پیدا کی گئی ہے۔ ان کی بدوی و شہری زندگی کے اساسی اصول ایک ہی درجہ کے ہیں۔ ان کی ترقی کے لئے بین الاقوامی انبیاء آتے رہے ہیں۔ ان کو بین الاقوامی قانون دیے گئے تاکہ کسی باہمی اختلاف کی صورت میں اس کی طرف رجوع کریں اور فیصلہ محفوظ رہے۔ انبیاء نے انہیں بین الاقوامی معاملات کے اساسی قواعد نہ صرف بتلائے بلکہ انہیں اچھی طرح سمجھا بھی دیا تھا۔ مگر انہوں نے (وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ) صرف شخصی اور اپنے محدود قومی فائدے کے لئے ایک دوسرے سے لڑائی کی۔ مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ

"اگر نادان لوگ لڑتے تو کچھ مضائقہ نہ تھا مگر ظلم یہ ہوا کہ جو عالم اور فقیہ اس کتاب کو جانتے تھے خود اس کتاب

OPEN ACCESS

CC BY

کی تشریح کرنے میں اختلاف کر بیٹھے اس اختلاف کی بناء شخصی مفاد پر مبنی تھی، نہ قانون چلانے کے بارہ میں اختلاف کیا، کہ ایک جماعت نے کہا کہ یہ بین الاقوامی قانون یوں کامیاب ہوں گے اور دوسری جماعت نے کہا کہ یوں کامیاب ہوں گے اگر اس طرح کا اختلاف ہوتا تو کامیاب بنانے میں دونوں کا نظریہ ایک متحدہ راستہ پر لگ جاتا، مگر وہ محض شخصی مفاد کے لئے لڑے اور ہر ایک نے کتاب کی ایسی تشریح کی جس سے اس کو ذاتی نفع حاصل ہوتا تھا اسی طرح جماعتیں جماعتیں بن کر ایک دوسرے سے لڑ کر بین الاقوامی قانون میں ایسا اختلاف ڈال دیا"۔

اب حالت یہ ہے کہ سیدھا راستہ نظر نہیں آ رہا۔سوسائٹی حیران ہو کر بھٹک رہی ہے۔پھر حضور اکرم ﷺ تشریف لائے۔آپ نے تمام دنیا کے لیے قرآن کی صورت میں بین الاقوامی قانون دیا۔(فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُو)اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو ہدایت دی،یعنی ایسی کتاب اتاری جس میں بین الاقوامی قوانین موجود ہیں۔جو ان کے آپس کے تمام اختلافات کا حل دیتے ہیں۔یہی سیدھا اور قومی راستہ ہے۔گروہی راستہ اختیار کرنے سے قوم آخر میں برباد ہو جاتی ہے۔جب کوئی قوم اپنے نفع جوئی کے لیے دوسری قوموں کو محکوم بنا لیتی ہے تو دوسری قوم اپنی آزادی کے حصول کے لئے ایسی کوشش کرتی ہے کہ ان کی قومی حکومت کو برباد کر دیتی ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو رسول کی بعثت کا مقصد، کتاب کی ضرورت سمجھادی گئی۔مسلمانوں کو کہہ دیا گیا کہ تم بھی اپنی کتاب میں اختلاف کرو گے تو برباد کر دیئے جاؤ گے۔ایسا ہوا بھی جب ہر فرقہ نے اپنے گروہی مقاصد کے لیے ذاتی اغراض پر مبنی تفسیریں کیں کہ اب اس میں سیدھا راستہ سجھائی ہی نہیں دیتا۔اب اگر کوئی سمجھ دار آدمی ان تفسیروں کے بغیر قرآن کا مطالعہ کرے تو اسے سمجھ آ جاتی ہے۔ورنہ تو یہ تفسیریں لڑائی کی جگہ بنادی گئیں ہیں۔[68]

معاہدہ نکاح اور معاہدہ حکمرانی:

تفسیر القاءالمنان میں سورۃ البقرۃ کی آیات 227-226[69] مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ گھر میں موجود ہر شخص ایک قانون سے تعلق رکھتا ہے۔ہر شخص قانون میں ایک درجہ رکھتا ہے۔ان کا فرض ہے کہ وہ قانون کا مقصد پورا کریں۔کسی کو بھی اجازت نہیں کہ وہ دوسرے کے حق سے زیادہ تصرف کرے۔ یک آدمی عورت کے قریب نہ جانے کی قسم اٹھاتا ہے۔اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ اس نے اپنے گھر کے معاملات میں مستقبل پر غور کرنے کے لئے چار ماہ کی مدت مقرر کی ہے۔اس کو یہ تصرف کرنے کی بالکل اجازت نہیں کہ وہ عورت کے حقوق پس پشت ڈال کر ساری عمر گھر میں رکھے۔مرد قسم اٹھائے کہ وہ عورت کے قریب نہیں جائے گا۔قسم ایک قانون درجے کی چیز ہے۔میاں بیوی کے باہمی رشتہ میں ایسی قسم جس کی کوئی تعیین نہ ہو قرآن اسے قبول نہیں کرتا کیونکہ یہ مقاصد نکاح کو ختم کر دینے والی ہے۔اگر کوئی معاملہ فریقین کی باہمی رضامندی سے طے پائے کہ وہ صحبت نہیں کریں گے، یہ کوئی فکر مندی کی بات نہیں۔ نکاح کا مقصد صرف وطی نہیں ہے اور دوسرے فوائد بھی ہیں۔

گھر میں مرد کو حاکم بنایا گیا ہے۔بطور حاکم ہونے کے اس کی رائے کی اہمیت زیادہ ہے۔وہ اپنی حاکمانہ رائے استعمال کرتے ہوئے فیصلہ کرتا ہے کہ عورت کے قریب نہیں جائے گا۔گویا مرد اپنی حاکمیت کو ختم کرنے کی طرف اقدام کرتا ہے۔قرآنی قانون اسے چار ماہ اس بارے میں سوچنے کا حق دیتا ہے۔چار ماہ بعد مرد اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اس عورت کے ساتھ تعلق برقرار رکھنے کی ضرورت نہیں۔تو اس کا یہ فیصلہ جو قسمیہ تھا کو طلاق تصور کیا جائے گا یعنی مرد نے اپنی حکومت سے علیحدہ ہو گیا۔یا چار ماہ غور کرنے کے بعد اسے عورت سے علیحدگی میں

OPEN ACCESS
CC BY

نقصان نظر آتا ہے اور رجوع کر لیتا یعنی اپنا قانون توڑ لیتا تو اللہ اس کی غلطی کو معاف کرے گا اگر میاں بیوی کی طرح رہے۔ چار ماہ کے بعد طلاق کا یہ معنی ہوا کہ گھر کی حکومت میں کسی فریق کو دوسرے کے حقوق ضائع کرنے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ حاکم کے ذمہ حقوق ہوتے ہیں اگر وہ ادا نہیں کرتا اور حاکم بھی رہنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے کچھ مہلت دی گئی ہے۔ اگر وہ حقوق ادا نہیں کرتا تو پھر حکومت سے جدا کر دیا جائے گا۔ عام عوام کو اپنے ان حقوق کا علم ہو جائے تو کوئی بھی حاکم ظلم نہیں کر سکے گا۔ مگر مسلمانوں میں یہ سکھایا جانے لگ گیا کہ بادشاہ ظلم کرے تو صبر کرو۔ اللہ صبر کی جزا دے گا۔ جدید دور کے لوگ حاکم سے لڑائی پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ اب حکمرانی کے اسلوب بدل گئے ہیں اور حکمرانوں کی مدت متعین کر دی گئی ہیں ایک جاتا ہے تو دوسرا اچھا حاکم آ جاتا۔ اسلام میں ایسی کوئی تعلیم نہیں ہے کہ رعایا ظالم بادشاہ کے آگے گردن جھکا دے۔ بادشاہ کی تعیین کا مقصد ہی لوگوں میں انصاف قائم کرنا ہے اگر وہ یہ حق نہیں ادا کرتا تو اسے آگاہ کیا جائے گا کہ اتنی مدت میں اپنا رویہ درست کر لے ورنہ حق حکمرانی سلب کر لیا جائے گا۔ اب مصلحت تقاضا بھی یہی ہے کہ وقت مقررہ مدت کے لیے حاکم بنایا جائے۔[70]

حکومتی رازوں کی حفاظت کی ضرورت:

تفسیر المقام المحمود میں سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 28 [71] میں مولانا سندھی فرماتے ہیں کہ جب مسلمانوں کو حکومت ملے گی تو ان کے پاس حکومتی راز بھی آئیں گے۔ جن کی حفاظت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جب دشمنوں سے کسی سماجی یا معاشی معاملے کے لیے تعلقات استوار ہوں گے ایسے میں یہ خدشہ رہے گا کہ وہ ان رازوں سے واقف ہو جائیں، اور مسلمانوں کی حکومت کو نقصان پہنچائیں اس لیے کافروں سے دوستی سے باز رکھا گیا ہے۔ مولانا سندھی فرماتے ہیں کہ

> "اخلاقی معاملات میں جو دشمن نہیں وہ دوست ہیں۔ اور جو دوست ہیں وہ دشمن نہیں، مگر حکومت کے معاملات میں جو دوست نہیں وہ دشمن ہیں حتی کہ جو غیر جانبدار ہے وہ بھی دشمن ہے۔ حکومت میں صرف ان لوگوں کو شریک کیا جائے گا جن پر پورا اعتماد ہوگا"[72]

اس نظریہ کے حامل مسلمان اجتماعی مفادات کو پیش نظر رکھ کر اپنی ذمہ داری نبھائیں گے اور کسی بھی غفلت کی صورت میں سزاوار ہوں گے۔ مسلمانوں کی یہ حکومت پوری ایمانداری سے اپنے فرائض ادا کرے گی۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا منہج تفسیر:

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا تفسیری منہج تفسیر بالرائے کی ایک قسم ہے۔ قرآنی اصول تفسیر میں ایک اصطلاح استنباط کی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ اصول تفسیر میں بیان فرماتے ہیں کہ ایک اہم مسئلہ قرآن کی آیات سے احکام کے استنباط کا ہے یہ موضوع اپنی تفصیلات کے اعتبار سے بڑا وسیع ہے کیونکہ کسی آیت سے کوئی مخصوص اور معین حکم معلوم کرنے کے لئے، آیت کے مفہوم اشارات اور اس کے تقاضوں کو بھی دیکھنا اور سمجھنا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے عقل کو اپنی جولانی کے لئے ایک وسیع میدان ہاتھ میں آ جاتا ہے۔[73] قرآنی علوم میں سے ایک علم فن اعتبار بھی ہے جو استنباط کی ایک شکل ہے۔ جسے آنحضرت ﷺ نے درست قرار دیا تاکہ الہی علوم کو سمجھنے اور ان کی تہہ تک پہنچنے میں ایک راستہ اور کھل جائے۔

قرآن مجید کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

{لِكُلِّ آيَةٍ مِنْهَا ظَهْرٌ وَ بَطْنٌ وَ لِكُلِّ حَدٍّ مُطَّلَعٌ}[74]

OPEN ACCESS
CC BY

ترجمہ: قرآن کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن، ہر حد کا ایک مطلع ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم کی آیات کا ظاہر تو وہی ہے جس پر آیت کے الفاظ براہ راست دلالت کرتے ہیں اور جسے عرف عام میں معنی یا مطلب کہا جاتا ہے۔ بطن تمام مباحث کا الگ الگ ہوتا ہے۔۔۔اور آیات احکام کا باطن یہ ہے کہ آیت کا سباق اور اشارات کے ذریعہ ان احکام کو معلوم کیا جائے جو پوشیدہ ہیں اور آیات کے الفاظ سے براہ راست ظاہر نہیں ہوتے۔[75]

اس گفتگو کے تناظر میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا انداز بھی یہی ہے کہ وہ ایک حکم کی قرآنی تعبیر سے دوسرے حکم کا استنباط کرتے ہیں۔اس کے لیے آپ قرآن و حدیث سے استشہاد کرتے ہیں۔احکامات کی حکمت اور روح سے کسی طور انحراف نہیں کرتے ہیں۔ مثلاً درج بالا تفاسیر میں گھریلو سطح کے احکامات کی تعبیر سے سماجی زندگی کے بڑی دائرے یعنی قومی سطح کے مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔مولانا سندھیؒ کی تمام تفسیری مباحث قرآنی کے عملی نظام کی راہنمائی دیتی ہیں۔ جس سے قرآنی تعلیمات علمی مباحث تک محدود ہونے کی بجائے قومی و بین الاقوامی سطح کے تمام مراحل کی تشکیل کا عملی نظام کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔یوں ایک سماجی منہج ہمارے سامنے آتا ہے۔

خلاصہ کلام:

1. قرآن حکیم اللہ تعالی کی آخری کتاب ہے ۔ جس پر خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ اور آپ کی جماعت نے معاشرتی تشکیل کی۔ خیر القرون کا یہ دور آنے والے انسانوں کے لیے راہنمائی کا ذریعہ بن گیا۔انسانی سماج تغیر پذیر ہے۔زمانہ کے حالات بدلتے ہیں تو انسانی معاشروں کو دور کے تقاضوں کے مطابق راہنمائی کی ضرورت درپیش رہتی ہے۔
2. قرآن حکیم سے ہر دور میں راہنمائی کے لیے اس کی تفسیر و تشریح کا سلسلہ جاری رہا اور مختلف مناہج وجود میں آئے۔ جن میں تفسیر بالماثور، تفسیر بالرائے بڑے مناہج تھے۔اس کے ساتھ ادبی، فقہی، کلامی، اشاری، عقلی و سائنسی منہج جو کہ تفسیر بالرائے کے ذیل میں آتے ہیں نمایاں ہیں۔
3. اٹھارہویں صدی میں دنیاء انسانیت میں ایک بڑی تبدیلی رونما ہوئی۔ سائنسی ارتقاء اور مشین کی ایجاد نے سماج پر گہرے اثرات مرتب کیے۔امام شاہ ولی اللہ نے اس دور میں دینی علوم پر فلسفہ مرتب کیا۔قرآن کا فارسی میں ترجمہ کیا۔خانوادہ شاہ ولی اللہ اور سلسلہ فکر کے حاملین نے قرآنی علوم کا اردو میں ترجمہ و تفسیر پیش کیا اور علوم وحی کے مطالعہ کو آسان کردیا۔
4. انیسویں صدی میں مسلم دور حکومت کے زوال اور یورپین اقوام کا غلبہ ہوگیا۔ بیسویں صدی میں مسلمانوں کا عالمی نظام مکمل ٹوٹ گیا اور اس کے ساتھ قومی ریاستی نظام کا ارتقاء ہوا اور قومی جمہوری دور کا آغاز ہوا۔
5. بیسویں صدی کے ان چیلنجز کو پیش نظر رکھتے ہوئے ولی اللہی علوم سے استفادہ کے لیے شیخ الہند مولانا محمود حسن نے نظارۃ المعارف القرانیہ بنائی۔ جس میں کالج اور مدارس کے طلباء کو ایک ہی پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا۔اپنے شاگرد مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو اس کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا۔
6. مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے مطالعہ قرآن کے اصول پیش کیے اور قرآن حکیم پر تدبر، روح عصر سے مطابقت، مقاصد قرآن اور قرآنی الفاظ کی جامعیت کی وضاحت کی۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اپنے تلامذہ کو قرآنی دروس دیے جسے انہوں نے قلمبند کیا۔ جس سے عربی سندھی اور

OPEN ACCESS
CC BY

اردو میں چار تفاسیر متعارف ہوئیں۔ جن میں تفسیر الہام الرحمن (عربی)،القاء المنان فی تفسیر القرآن (سندھی)، تفسیر المقام المحمود(اردو)اور قرآنی شعور انقلاب(اردو) میں ہے۔

7. مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا رجحان فکر یہ ہے کہ قرآنی تعلیمات کی اساس پر جس طرح خیر القرون تشکیل پایا جو کسی نہ کسی شکل میں ایک ہزار تک قائم رہا۔اسی طرح قرآن ہر دور میں اپنا سماج تشکیل دینا چاہتا ہے۔ بیسویں صدی کا سماجی ڈھانچہ بھی قران حکیم پر استوار ہونا ضروری ہے۔

8. مولانا عبید اللہ سندھی کا اسلوب تفسیر امام شاہ ولی اللہ کے اصول تفسیر پر جو تفسیر بالرائے کی ایک قسم ہے۔ جسے شاہ ولی اللہ کی اصطلاح میں "فن اعتبار" کہتے ہیں۔

9. مولانا عبید اللہ سندھیؒ قرآنی تعبیرات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیسویں صدی کی سماجی تشکیل کا راستہ واضح کرتے ہیں۔ان کی تفسیر کا مرکزی نکتہ انسانی معاشرے کی راہنمائی ہے۔آپ خاندانی امور، عبادات کے احکامات کی تعبیر سے ریاستی تشکیل کو واضح کرتے ہیں۔آپ قرآن، حدیث، فقہ اور ادبی پہلوؤں پر گفتگو کرتے ہوئے سماجی تشکیل کے قرآنی اصولوں کو واضح کرتے ہیں۔

10. آپ اپنے دور کو زیر بحث لاتے ہیں جس کے سبب آپ کی تفسیر میں سائنس، مشین، جمہوریت، یورپین اقوام کا غلبہ اور ان سے آزادی کی گفتگو بھی ملتی ہے۔اس جدید دور میں قرآنی سماجی کی تشکیل کے کیا خدوخال ہوں گے اس کو بھی واضح کرتے ہیں۔ جس سے تفسیر ایک نیا رجحان سامنے آتا ہے۔ جسے "تفسیر کا سماجی منہج" قرار دیا گیا ہے۔

حوالہ جات وحواشی:

[1]۔القرآن،الاعراف۔59-60: 7

[2]۔القرآن،التوبہ۔70: 9

[3]۔القرآن،التوبہ۔258: 2

[4]۔القرآن،یوسف۔55: 12

[5]۔القرآن،العنکبوت۔39: 29

[6]۔القرآن،المائدہ۔28: 5

[7]۔القرآن،الحدید۔57: 25

[8]۔القرآن،صٓ۔30: 38

OPEN ACCESS

[9]۔القرآن،الفتح۔29-:28 48

[10]۔القرآن،الرحمن۔ 29: 55

[11]۔حریری،غلام احمد،تاریخ تفسیر و مفسرین،ملک سنز،فیصل آباد،2000-ص:190،221

[12]۔حریری،تاریخ تفسیر۔ص:263-264

[13]۔الفراء،یحییٰ بن زیاد،معانی القرآن،الھئیۃ المصریہ العامۃ للکتاب،1980

[14]۔ایضا-ص:267-268

[15]۔ایضا-ص:337-338

[16]۔ایضا-ص:553

[17]۔سر سید احمد خان، تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان،رفاہ عام پریس،لاہور(ت-ن)

[18]۔حریری،تاریخ تفسیر-۔ص:642

[19]۔شاہ ولی اللہؒ(1703-62)کا نام قطب الدین احمد تھا،آپ والد کی طرف سے فاروقیؓ اور والدہ کی جانب سے فاطمیؓ ہیں۔پانچ سال کی عمر میں آپ نے تعلیم کا آغاز کیا،سات سال کی عمر میں آپ نے قرآن پاک حفظ کیا،چودہ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہوئی،پندرہ سال کی عمر میں آپ نے تمام عقلی و دینی علوم کی تکمیل کی اور مسند تدریس سنبھالی۔آپ کی تعلیمات سے ایک عالم متاثر ہوا،اب آپ کا فیض آپ کی پر حکمت تصنیفات کی صورت میں موجود ہے،پوری دنیا میں آپ کے پیش کردہ دینی و سماجی علوم پر کام ہو رہا ہے۔آپ نے اسلامی عقائد،عبادات و احکامات کے اسرار بتائے۔آپ نے دینی علوم (قرآن، حدیث، فقہ، تصوف)اور سماجی علوم (سیاست، معیشت، معاشرت،تاریخ) کو مربوط انداز سے پیش کیا۔

ندوی،ابوالحسن علی حسنی،سید،تاریخ دعوت وعزیمت۔ مجلس تحقیات ونشریات اسلام،لکھنو،2006۔5: 97

20۔ امام شاہ عبدالعزیز دہلوی(1746 پیدائش)امام شاہ ولی اللہ کے بیٹے تھے۔ محدث اور مفسر،آزادی کے راہنما تھے۔ تفسیر عزیزی آپ ہی کا شاہکار ہے۔ہندستان میں انگریز کے خلاف سب سے پہلے آزادی کا شعور دیا اور ایک عظیم تحریک کھڑی کی،جو تحریک بالاکوٹ کے نام سے مشہور ہے،جس کی ذمہ دار سید احمد شہید(1831۔1786)کو سونپی۔1803 میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف فتوی دارالحرب دیا۔

ندوی،ابوالحسن، تاریخ دعوت وعزیمت۔5: 346

[21]۔آپ شاہ ولی اللہؒ کے دوسرے بیٹے ہیں۔آپ کی تعلیم و تربیت بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز نے کی۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے بیمار ہونے کے بعد درس تدریس کا منصب سنبھالا۔آپ نے 6 شوال 1233ھ کو وفات پائی۔ ندوی،ابوالحسن، تاریخ دعوت وعزیمت۔5: 382

[22]۔آپ شاہ ولی للہ کے تیسرے بیٹے ہیں۔آپ نے اپنے والد صاحب کے ترجمہ قران کے اسلوب کو بنیاد بناتے ہوئے قرآن کا اردو زبان میں ترجمہ کیا۔یہ ترجمہ لغت اور الفاظ کے چناؤ میں بہت سی خصوصیات سموئے ہوئے۔اس سراپائے علم و فن کی وفات 1230ھ میں ہوئی۔

CC BY

ندوی،ابوالحسن، تاریخ دعوت وعزیمت۔5: 386-387

[23]۔آپ کا سن پیدائش 10 مارچ 1872 ہے۔آپ ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں چیاں والی میں پیدا ہوئے۔ سکھ مذہب میں آپ کا نام بوٹا سنگھ ولد رام سنگھ ولد جسپت رائے ولد گلاب رائے تھا۔۔1887 میں مڈل کی تیسری جماعت (یعنی ہشتم) میں پڑھتے تھے کہ اظہار اسلام کے لئے گھر چھوڑ دیا۔دارالعلوم دیوبند میں جید اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ امام شاہ ولی اللہؒ کی معرکۃ الآراء تصنیف '' حجۃ اللہ البالغہ ''حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے پڑھی۔1895 میں حضرت شیخ الہند نے اجازت تدریس تحریر فرمادی۔آپ شیخ الہند کی سیاسی جدجہد میں ہمیشہ ساتھ رہے۔ 21 اگست 1944 بروز منگل بوقت ظہر روزہ کی حالت میں آپ کی روح عالم کی طرف پرواز کر گئی۔ سندھی،عبیداللہ،مولانا،ذاتی ڈائری،مکی دار لکتب،لاہور،1995۔18

شاہ جہان پوری،ابو سلمان،ڈاکٹر،امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی، حیات وخدمات،دارالکتاب،لاہور،2007۔248

[24] ۔قرآنی علوم کی معرفت کا ادارہ(Institute of Quranic Sciences)

[25]۔آزاد، عبدالخالق، مفتی،قرآن حکیم کی تفسیر کا ایک جامع اسلوب اوراس کے ارتقاء کا جائزہ، مجلہ شعور آگہی،اکتوبر تا دسمبر 2009،شمارہ نمبر4۔3۔1: 45

[26]۔سندھی،عبیداللہ،مولانا،التمہید لتعریف آئمۃ التجدید۔حیدرآباد(ت،ن)۔26

[27]۔منصورپوری، محمد سلمان،ایشیا کا عظیم انقلابی لیڈر۔حاجی حنیف اینڈ سنز،لاہور،2001ء -9-8

آزاد، عبدالخالق، درائے پوری، مولانا مفتی، سرگزشت حیات امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی۔رحیمیہ مطبوعات،لاہور،2014ء -84

[28] ۔1914 میں آل انڈیا نیشنل ایجوکیشنل کانفرنس، راولپنڈی میں منعقد ہوئی۔ جس میں مولانا سندھی نے خطبہ صدارت پڑھا۔خطبہ کا موضوع فہم القرآن تھا۔جس میں آپ نے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو مطالعہ قرآن کے بنیادی امور کی طرف متوجہ کیا۔یہی خطبہ صدارت "قرآن کا مطالعہ کیسے کیا جائے کے عنوان سے شائع ہوا۔ شاکر،امجد علی، پیش لفظ، قرآن پاک کا مطالعہ کیسے کیا جائے؟مکی دارالکتب،لاہور،2002ء -17

29۔سندھی،عبیداللہ،مولانا،قرآن پاک کا مطالعہ کیسے کیا جائے؟مکی دارالکتب،لاہور،2002ء ۔23

[30]-القرآن،سورۃ المزمل۔4: 73

31۔سندھی،عبیداللہ،مولانا،قرآنی شعور انقلاب۔رحیمیہ مطبوعات،لاہور،2009ء ۔592

32۔عبیداللہ،قرآن پاک کا مطالعہ کیسے کیا جائے؟13

33-سندھیؒ، عبیداللہ،قرآنی شعور انقلاب۔699-701

34۔سندھیؒ،عبیداللہ،قرآن کریم کا مطالعہ کیسے کیا جائے؟77

35-ایضا-9-8

36-ایضا-5

OPEN ACCESS

37-القرآن، سورۃ یوسف۔ 12:101

38۔ سندھیؒ، عبید اللہ، قرآن پاک کا مطالعہ کیسے کیا جائے؟ 56۔

39-ایضا-40

40۔ سندھیؒ، عبید اللہ، قرآن پاک کا مطالعہ کیسے کیا جائے؟۔ 36

41-القرآن، سورۃ الفاتحہ۔ 1:5

42-سندھیؒ، عبید اللہ، قرآنی شعور انقلاب۔ 139

43۔ برصغیر کی آزادی کے جذبہ کے تحت لاہور کالج کچھ نوجوان افغانستان ہجرت کر گئے۔ کابل میں ان نوجوانوں کا تعلق مولانا سندھیؒ سے قائم ہوگیا۔ ان میں ظفر حسن ایبک بھی شامل تھے۔ مولانا سندھیؒ ان نوجوانوں کی تربیت کے لیے دروس قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ ظفر حسن ایبک حکومت مؤقتہ ہند میں مولانا سندھیؒ کے سیکرٹری رہے۔ افغان آرمی میں اعزازی کرنل کے طور پر کردار ادا کیا۔ تھرڈ اینگلو افغان وار میں نمایاں کردار ادا کیا۔ روس اور ترکی میں مولانا سندھی کے ساتھ شریک کار رہے۔ بعد ازیں ترکی فوج میں شامل ہو گئے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ایبک، ظفر حسن، خاطرات (آپ بیتی)۔ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1990ء

44-آزاد، عبد الخالق، قرآن حکیم کی تفسیر کا ایک جامع اسلوب شمارہ نمبر 4۔ 3۔ 1: 52

45۔ لغاری، عبد اللہ، مولانا، مولانا عبید اللہ سندھی کی سرگزشت کابل۔ دار الکتاب، لاہور، 1988ء ۔ 54-57

46۔ آصف، شیخ محمد، ایڈووکیٹ، مولانا عبید اللہ سندھی کی انقلابی جدوجہد۔ طیب پرنٹنگ پریس، لاہور۔ 43-44

47-ایبک، ظفر حسن، خاطرات۔ 314

48-مولانا سندھیؒ نے مشرقی یورپ میں ابھرتے تمدن کا بہت ہی قریب سے مشاہدہ کیا تھا، پھر افغانستان، ترکی اور حجاز میں ہونے والی سیاسی تبدیلیوں کا براہ راست تجزیہ کیا تو آپ نے اس دور کے قومی تقاضوں کو سمجھا۔ اس دور میں قومی ریاست کا تصور ابھرا۔ آپ نے اس پر غور کیا کہ قومی ریاستوں کا یہ دور اسلام کی روح کے خلاف نہیں۔ اب اسلام کی عالمگیریت کی اساس قومی ریاستیں بنیں گی۔ دوسرا یہ کہ اسلام کا سیاسی، معاشی و سماجی نظام کیمونزم سے کہیں زیادہ انسان دوست اور غریب پرور ہے۔ امام شاہ ولی اللہ کے فلسفہ میں اس جدید دور کے لیے مکمل راہنمائی موجود ہے۔

محمد سرور، پروفیسر، افادات و ملفوظات، حضرت مولانا عبید اللہ سندھی۔ ایچ وائی پرنٹرز، لاہور، 1967ء ۔ 144

49 ۔ موسیٰ بیکیف جن کا عربی نام موسی أفندي جار اللہ الروسی ہے آپ کیکینو (پینزو گورنریٹ، رشیا) میں 1873 میں پیدا ہوئے، آپ نے اعلیٰ تعلیم الازھر یونیورسٹی قاہرہ سے حاصل کی۔ روس میں ترقی پسند عالم اور مسلمانوں کے نمائندہ سمجھے جاتے تھے۔ آپ نے قرآن حکیم کا تاتاری زبان میں ترجمہ کیا۔ مولانا موسی جار اللہ بہت بڑے عالم تھے۔ اس وقت تک ان کی اڑھائی سو تصنیفات قاہرہ سے شائع ہو چکی تھیں۔ مولانا

CC BY

موسیٰ جار اللہ مولانا سندھی سے بہت زیادہ متاثر ہوئے، انہوں نے مولانا سندھی سے ولی اللہی فلاسفی کو سمجھا۔ جب مولانا حجاز میں مقیم تھے، اس وقت آپ سے قرآن حکیم کی تفسیر ولی اللہی حکمت کی روشنی میں پڑھی اور اسے عربی میں قلمبند کیا۔ اس تفسیر کو الہام الرحمن کا نام دیا۔ 1949 کو قاہرہ مصر میں انتقال کر گئے۔

سندھی، عبید اللہ، مولانا، پیش لفظ (الہام الرحمن فی تفسیر القرآن)۔ مکتبہ اوراق، لاہور، 2005ء 26-6

50- مولانا مدنی صاحب 1907ء میں بالا کے نزدیک گوٹھ بمبرا میں پیدا ہوئے۔ 13 سال کی عمر میں مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ وہی تعلیم حاصل کی۔ مکۃ المکرمہ حرم میں تدریسی فرائض سرانجام دیے۔ حرم میں ہی مولانا عبید اللہ سندھی سے ملاقات ہوئی۔ مولانا سندھیؒ کے کہنے پر سندھ واپس تشریف لے آئے۔ یہاں سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی میں استاد مقرر ہوئے۔

قاسمی، غلام مصطفیٰ، مولانا، مضمون: مولانا مدنی صاحب کا ترجمہ، ماہنامہ الولی، حیدرآباد، شمارہ نمبر 3، دسمبر 1992ء ۔ 16:10

51 ۔ عبداللہ بن نہال خاں، بن محمد خان بن رستم خاں بن فتح محمد خاں لغاری (1871-1958) میں میرپور ماتھیلا (سندھ) میں پیدا ہوئے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے امروٹ (ضلع سکھر) میں ملاقات ہوئی۔ ان کی تحریک میں شامل ہوگئے۔ ہدایت الاخوان کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا۔ مولانا سندھی کے سفر افغانستان سفر حجاز میں ان کے ساتھ رہے۔ مولانا سندھی کی بیشتر تصنیفات آپ ہی کے جمع کردہ ہیں۔ سندھ یونیورسٹی میں معلم بھی رہے۔ لغاری، عبداللہ، مولانا، مولانا عبید اللہ سندھی کی سرگزشت کابل۔ 262-264

52 ۔ مولانا بشیر احمد ولد مولانا اللہ دین (1899-1974) لدھیانہ (انڈیا) کے محلہ اقبال گنج میں پیدا ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ مختلف اخبارات سے وابستہ رہے بعد ازیں انجمن حمایت اسلام کے مدارس میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔

سندھیؒ، عبید اللہ، قرآنی شعور انقلاب۔ 84-76

53 ۔ مولانا احمد علی لاہوری (1887-1962) کے شاگرد ہیں۔

54 ۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ سورۃ الفاتحہ۔ 1:1

55 ۔ ابن منظور، ابی الفضل، جمال الدین محمد بن مکرم، الافریقی والمصری، لسان العرب، دار صادر، بیروت۔ 12: 420-421

56 ۔ البقرۃ: 47:2

57 ۔ سندھی، عبید اللہ، مولانا، الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن، مکی دار الکتب، لاہور، 2005۔ ص: 54-58

58 ۔ سندھی، عبید اللہ، مولانا، قرآنی شعور انقلاب، رحیمیہ مطبوعات، لاہور، 2009۔ ص: 113

59 ۔ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ سورۃ الفاتحہ۔ 1:4

60 ۔ سندھی، عبید اللہ، سندھی تفسیر، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد، 1994۔ ج: 1، ص: 3

سندھی، عبید اللہ، مولانا، القاء المنان فی تفسیر القرآن مترجم، قلمی نسخہ، جامعۃ اشاعۃ العلوم، چشتیاں۔ ص: 3

61 ۔ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ۔ سورۃ البقرۃ: 2:40

OPEN ACCESS
CC BY

[62]۔ سندھی، عبید اللہ، مولانا، تفسیر المقام المحمود، مکی دار الکتب، لاہور، 1997۔ ص:233

[63]۔ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔ سورۃ البقرۃ:2:60

[64]۔ سندھی، عبید اللہ، مولانا، تفسیر المقام المحمود، مکی دار الکتب، لاہور، 1997۔ ص:257

[65]۔ يَا اَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔ سورۃ البقرۃ:2:168

[66]۔ سندھی، عبید اللہ، مولانا، تفسیر المقام المحمود، مکی دار الکتب، لاہور، 1997۔ ص:333

[67]۔ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ سورۃ البقرۃ:2:213

[68]۔ سندھی، عبید اللہ، مولانا، تفسیر المقام المحمود، مکی دار الکتب، لاہور، 1997۔ ص:368-369

[69]۔ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ سورۃ البقرۃ:227-2:226

[70]۔ سندھی، عبید اللہ، سندھی تفسیر، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدر آباد، 1994۔ ج:1، ص:274-275

سندھی، عبید اللہ، مولانا، القاء المنان فی تفسیر القرآن مترجم، قلمی نسخہ، جامعۃ اشاعۃ العلوم، چشتیاں۔ ص:276-277

[71]۔ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ۔ سورۃ اٰل عمران۔ 3:28

[72]۔ سندھی، عبید اللہ، مولانا، تفسیر المقام المحمود، مکی دار الکتب، لاہور، 1997۔ ص:354-356

73 ۔ شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر۔ 153

74۔ ابو عبد اللہ، محمد بن عبد اللہ، ولی الدین، مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثانی، حدیث نمبر 221

75۔ شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر۔ 162-163

OPEN ACCESS
CC BY